# نیک دل

**انور نزہت**

H-1، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025


راغب اور غزالہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ راغب ایک مڈل کلاس سے تھا اور غزالہ ایک معمولی چپراسی کی بیٹی، لیکن وہ بہت حسین تھی۔ اللہ نے اسے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ وہ جتنی غریب تھی اتنی ہی حسین اور معصوم وہ جب بات کرتی لگتا جیسے ہونٹوں سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

راغب اور غزالہ بچپن کے ساتھی تھے اور ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ راغب نے تو اپنے دل میں بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں شادی غزالہ سے ہی کروں گا۔ راغب کے والد ایک بزنس مین تھے۔ وہ ہر کام کو بزنس کے حساب سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے سوچ رکھا تھا کہ میرا بیٹا پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی بنے گا تو میں اس کی شادی بھی کسی امیر آدمی کی بیٹی سے کروں گا تو میرا بھی بڑے لوگوں میں نام ہوگا۔

راغب اور غزالہ نے ہائی اسکول تو ایک ساتھ ہی پاس کیا، مگر راغب نے آگے پڑھنے کے لیے کالج میں داخلہ لے لیا جب کہ غزالہ باپ کی بیماری کی وجہ سے مزید آگے نہ پڑھ سکی۔ اس کے والد بہت بیمار ہو گئے اور وہ مزید ملازمت بھی نہ کر سکے کیونکہ ان کے دونوں گردے خراب ہو چکے تھے۔ تھوڑی سی پنشن ملتی تھی جس سے گھر کا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا غزالہ یہ سوچ کر گھر میں ہی کچھ چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی کہ اس سے آمدنی میں کچھ اضافہ ہوگا۔

غزالہ خوبصورت تھی اس کے رشتے آنے لگے، لیکن غزالہ نے اپنی ماں سے صاف طور سے کہہ دیا میں کسی اور سے اور کہیں شادی نہیں کروں گی میرے لیے راغب کا رشتہ آئے گا میں اس کا انتظار کروں گی۔

راغب کے زیادہ مجبور کرنے پر رشتہ تو انھوں نے بھیج دیا، لیکن انھوں نے ایک شرط رکھی اور کہا: ”بیٹا دیکھو ہماری سماج میں ایک عزت ہے کم سے کم ہماری حیثیت کے مطابق شادی ہونی چاہیے۔ ہم لوگوں کو کس طرح کہیں گے کہ ایک بیٹا تھا اس کی بھی کہیں ڈھنگ کی جگہ شادی نہیں کی۔ تمہاری شادی سے ہماری بہت بدنامی ہوگی ان سے کہو وہ جہیز میں چاہے کچھ نہ دیں، لیکن ہماری برات کی عزت اور خاطر داری ہماری حیثیت کے حساب سے کسی اچھے بڑے شادی ہال میں کریں اتنا تو کر سکتے ہیں ان کے پاس نہیں ہے جہیز نہ دیں۔“

راغب ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور شادی ٹلتی رہی۔ غزالہ نے جب شادی میں ٹال مٹول دیکھی تو راغب سے کہا: ”راغب تم سمجھتے کیوں نہیں تمہارے باپ مجھ سے شادی نہیں کریں گے اور ایک دن میرے ابّو کسی بھی ایرے غیرے کے ساتھ میرا نکاح پڑھوا دیں گے۔ کیونکہ ایک تو وہ اپنی بیماری سے بہت پریشان ہیں دوسرے وہ میری شادی جلدی کر کے اپنا فرض ادا کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی زندگی سے بہت مایوس ہو چکے ہیں۔“

راغب نے غزالہ کی بکھری لٹ چہرے سے ہٹاتے

ہوئے بڑے پیار سے کہا: ''ڈیڈی کی بات چھوڑو مجھے کب انکار ہے میں تو کہتا ہوں آج کیا ابھی چل کر مسجد میں نکاح کر لیتے ہیں۔''

غزالہ نے اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: ''تم بڑی ناسمجھی کی بات کرتے ہو تمہارے ڈیڈی بغیر جہیز کے کبھی قبول نہیں کریں گے اور میرے باپ کے پاس جہیز میں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے تو گھر کا گزارہ بھی نہ جانے کس طرح ہوتا ہے۔ ابّو کی دوائیں تو ڈسپنسری سے مفت مل جاتی ہیں ورنہ علاج بھی نہ ہو پاتا۔ میں کہتی ہوں تم مجھے بھول جاؤ۔ غریب کو محبت کرنے کا بھی

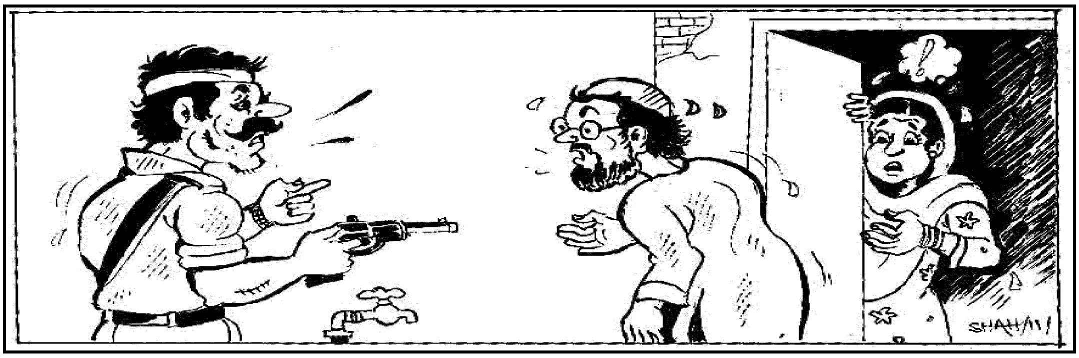

کوئی حق نہیں محبت بھی دولت کے ساتھ ہی کی جاتی ہے نہ میرے باپ کے پاس جہیز میں دینے کے لیے دولت ہوگی اور نہ میری شادی ہی تم سے ہوگی۔''

راغب نے غزالہ کو تسلیاں دیتے ہوئے کہا: ''تم فکر مت کرو ڈیڈی کی بات چھوڑو میں اگر شادی کروں گا تو تم سے ورنہ پوری زندگی مجنوں بن کر رہوں گا اور کسی سے شادی نہیں کروں گا۔''

آج غزالہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ باپ بے چارے ابھی اپنی سونی چارپائی پر لیٹے آسمان کو تک رہے تھے اور اپنے پروردگار سے کہہ رہے تھے کہ اے پاک ذات تو نے لوگوں کو بے شمار دولت سے نوازا ہے اور ایک میں ہوں جو اپنی بیٹی کی شادی بھی نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس نہ پیسہ ہوگا جو لڑکے والوں کی مانگ دے کر پوری کر سکوں۔ میری بیٹی شاید کنواری ہی رہے گی۔ اے اللہ تیرے آسمان پر کروڑوں ستارے ہیں اُن میں سے کچھ مجھے دے دے یہ نوٹ بن کر میرے صحن میں گر جائیں اور میں اپنی بیٹی کی شادی کر دوں۔ پھر چاہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ مجھے زندگی کی تمنا نہیں ہے۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ باہر گلیوں سے چوکیدار کی آواز آ رہی تھی۔ نورا چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ وہ کالی سیاہ رات تھی۔ چاند بھی بادلوں میں منہ چھپا کر غائب ہو گیا تھا۔ چوکیدار کاندھے پر بندوق لٹکائے گلیوں میں گھروں کا طواف کر رہا تھا، اس نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور دیکھا سیمنٹ کے کھمبے سے کوئی اُتر رہا ہے اور اسے دیکھ کر پیچھے ہو گیا۔ نورا نے اس پر فائر کر دیا یہ سوچ کر کہ یہ گر جائے گا۔ اس کے ساتھی نے بھی نورا پر فائر کر دیا۔ نورا زندگی کی بازی ہار گیا کیونکہ گولی اس کے دل میں لگی تھی۔ اُس ڈاکو نے اپنے ساتھی سے کہا: ''یہ زیور اور نقدی لے کر تم فوراً چودھری کے ڈیرے پر جا کر اس کو دے دو۔'' اس نے کہا ''استاد تم زخمی ہو تمہاری ٹانگ پر گولی لگی ہے۔'' اس نے کہا: ''ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ ورنہ تم بھی میرے ساتھ پکڑے جاؤ گے اور جلدی سے کوئی سواری یا جیپ لے کر آ جاؤ۔'' ڈاکو نے اپنے

ساتھی کو روانہ کر دیا اور ہمت کر کے اپنے صافے کو پھاڑ کر اپنے پیر پر پٹی باندھی اس سے خون رُک گیا۔ اس وقت اسے بہت پیاس لگی تھی۔ وہ پانی کی تلاش میں لنگڑا کر نکل پڑا۔ کئی مکان دیکھے ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس میں داخل ہو گیا اور سامنے ہی نل لگا ہوا تھا اس نے پہلے نل کھول کر خوب سیر ہو کر پانی پیا اور وہیں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو کر رمضان کی باتیں سننے لگا، جو وہ اپنے اللہ سے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے پیسوں کی دعا کر رہا تھا۔ رمضان نے جب دیکھا دروازہ کھلا ہے اس نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ ''آج دروازہ کیسے کھلا ہے کوئی بھی چور آسکتا ہے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے دروازہ بند کرنے اُٹھا اس نے دیکھا نل کے پاس کوئی کھڑا ہے پھر اُس شخص سے پوچھا۔ ''تم کون ہو یہاں کیا کر رہے ہو تم مجھے چور لگتے ہو۔'' شیرو نے اسے پستول دکھاتے ہوئے کہا۔ ''خاموش رہو اگر تم نکال سکتے ہو تو میری ٹانگ سے گولی نکال دو میں چل نہیں سکتا میرا ساتھی آنے والا ہے میں چلا جاؤں گا میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور دیکھو کوئی چالاکی مت کرنا ورنہ تم سب کو بھون دوں گا۔''

رمضان نے ڈرتے ڈرتے کہا: ''بھائی تم اپنا نام تو بتا دو کون ہو۔'' اس نے کہا اگر میں نے اپنا نام بتا دیا تو سنتے ہی تمہاری جان نکل جائے گی۔ میرا نام ''شیرو ڈاکو ہے''۔ رمضان کی بیوی نے جب یہ سنا یہ شیرو ڈاکو ہے تو رمضان کو بلا کر سرگوشی میں کہا۔ ''تمھیں معلوم ہے اس کے پکڑوانے والے کو پچاس ہزار کا انعام ہے اگر ہم پولیس کو ابھی فون کر کے بلا لیں اور اسے گرفتار کرا دیں تو پچاس ہزار کا انعام ہمیں مل جائے گا اور ہم اپنی بیٹی غزالہ کی شادی بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔''

شیرو نے رمضان کی بیوی کی باتیں سن لیں اور وہ بھی جو وہ اللہ میاں سے دعا مانگ رہا تھا بیٹی کی شادی کے لیے رمضان نے اندر جا کر پولیس کو فون کر دیا انسپکٹر نے کہا۔ ''تم اسے وہیں روکے رکھو ہم ابھی آرہے ہیں۔''

شیرو کو پتہ چل گیا تھا کہ رمضان نے پولیس کو فون کر دیا ہے اور کچھ ہی دیر میں پولیس آتی ہوگی۔ کچھ دیر میں شیرو کا ساتھی جیپ لے کر آگیا اور اس نے شیرو سے کہا۔ ''استاد جلدی چلو اس وقت کوئی ڈاکٹر نہیں ملا ہمیں اپنے اڈّے پر ہی کچھ کرنا ہے۔''

لیکن اتنی دیر میں ہی شیرو ڈاکو سے ایک نیک اور سچّا انسان بن چکا تھا۔ اس نے ساتھی سے کہا۔ ''مجھے چھوڑ تو فوراً یہاں سے چلا جا ابھی پولیس آتی ہوگی میرے ساتھ تو بھی پکڑا جائے گا ان لوگوں نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔''

لیکن استاد میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ شیرو نے کہا ''تو پاگل مت بن، زندگی میں ایک وقت آیا ہے مجھے کوئی نیک کام کرنے دے ساری زندگی لوٹ مار خون خرابہ کرتے گزر گئی۔ کوئی کام تو میں زندگی میں ایسا کر جاؤں۔ ان کو اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے میرے انعام کی رقم سے یہ اپنی بیٹی کی شادی کر دیں گے یہ لوگ بہت غریب اور مجبور ہیں۔ تو چلا جا اور پھر شیرو کے سامنے اپنا بچپن اور غریبی آگئی۔ اس نے بھی غربت سے تنگ آکر ہی یہ قدم اُٹھایا تھا۔ وہ بھی ایک فیکٹری میں کام کرنے والا غریب لڑکا تھا۔ فیکٹری مالک دولت مند نے ہی چور بتا کر اسے ڈاکو بنایا تھا ورنہ وہ بھی ایک اچھا شہری تھا۔ اسے دولت سے نفرت ہو گئی تھی اور پولیس گرفتار کر کے شیرو کو لے گئی۔ صبح کے اخبار میں سرخیوں میں خبر چھپی رمضان نے بہادری کا ثبوت دے کر شیرو ڈاکو کو گرفتار کرادیا۔ ○○